OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Vol.10 Issue 11 June 2022

اسلام کا نظریہ اتحادِ امت اور فکرِ اقبال

THE CONCEPT OF THE UNITY OF MUSLIM UMMAH IN THE LIGHT OF IQBAL'S TEACHING

Dr. Hajira Mariyam
Visiting Facult, Department of Islamic Studies, Lahore College for Women University, Lahore.

Dr. Ikram Ullah Khan
Visiting Faculty, Institute of Buisness Administration, University of the Punjab, Lahore.

Sara Fatima
Scholar, University of Lahore, Lahore.

Abstract: In Islam, first the Quran, then Hadith and then the most studied jurisprudence. In the subcontinent, the scholars of Farangi Mahal first worked on it. One of the special features of this was that Ulema-e-Farangi Mahal, which was founded by Mullah Nizamuddin Farangi Mahal, started Dars-e-Nizami. This group of scholars did very important work on fatwas, jurisprudence, and principles of jurisprudence. The most important work is the role of the group of these scholars in the Fatwa of India known as the Fatwa of Alamgiri, Collection of Fatwas of Maulana Abdul Hai FarangiMahali, and Collection of Fatwas of Maulana Yusuf. Many other scholars who have written many books and commentaries on this knowledge are still in the hands of those who seek knowledge today.

Keywords: Jahãngir, MolānāQuṭub U DīnShaeedSahalvī, Molana Abdul ḤaiFarangīMaḥalī, Ulama-e-FarangīMaḥal.

اسلام مسلمانوں کو عالمگیر اخوت واتحاد کا حکم دیتا ہے۔ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس حقیقت کا برملا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قلیل عرصے میں نہ صرف عربوں کے معاشرتی انتشار کو رفع فرمایا بلکہ عملی طور پر امت کو متحد کر کے دکھایا۔ لیکن مسلم امہ آج افتراق وانتشار کا شکار ہے، اس وجہ سے وہ دشمنانِ اسلام کے لیے تر نوالہ بنے ہوئے ہیں اور انہیں گوناگوں مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ان نامساعد حالات میں مسلم دانشوروں نے امت کو باور کرایا کہ ان کی بقا یک جان اور باہم متحد ہونے میں ہے۔ ان دانشوروں میں ایک نمایاں نام علامہ اقبال کا ہے۔ علامہ اقبال جیسے عظیم مفکر کے افکار و نظریات سے استفادہ کرنا چاہیے کیونکہ انہوں نے عالمِ اسلام کے اتحاد واشتراک کے لیے ایسے ولولہ انگیز اشعار کہے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر وہ ایکملتا ور بنیانِ مرصوص بن سکتے ہیں۔ شاعری کے علاوہ انہوں نے اپنی تقاریر اور تحریرات کے ذریعے امت کے مسائل کی نہ صرف نشان دہی کی بلکہ ان کے تدارک کے لیے قابلِ عمل تجاویز بھی دیں۔

علامہ اقبال عالمِ اسلامی کے اتحاد کے داعی تھے اور انہوں نے اُن تمام اسباب کی نشان دِہی کی جن کی وجہ سے مسلمانوں میں کی اجتماعیت برقرار نہ رہ سکی۔ ان کے نزدیک مغرب کے جدید نظریہ قومیت کو اختیار کرنے کی وجہ سے مسلمانانِ عالم کی ملی وحدت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو باور کرایا کہ ان کی حیثیت محض قوم کی سی نہیں ہے بلکہ وہ ایک ملت ہیں جسے قرآن مجید میں ملت کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ[1] (تم بہترین امت ہو)۔ اقبال کے بقول قوم رجال کی جماعت کا نام ہے اور یہ جماعت بہ اعتبار قبیلہ، نسل، زبان، وطن اور اخلاق ہزار جگہ اور ہزار رنگ میں پیدا ہو سکتی ہے، لیکن ملت ایسی سب جماعتوں کو تراش کر ایک نیا اور مشترک گروہ بنائے گی۔ گویا ملت یا امت جاذب ہے اقوام کی۔ خود ان میں جذب نہیں ہو سکتی۔[2] شاعرِ اسلام کے مطابق قومیتِ اسلام سے مراد ملتِ اسلامیہ ہے۔ دورِ حاضر میں مسلمان مختلف اقوام میں بٹے ہوئے ہیں اور وہ اس حقیقت کو فراموش کر چکے ہیں کہ انہیں ملۃ واحدہ بنایا گیا تھا۔ قومیت کے خول نے اسلام کے اتحاد واتفاق کے زریں اصول کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ علامہ اس تصور کی ہولناکی کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں

اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے　　قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے[3]

اقبال نہ صرف مغرب کے تصورِ قومیت کا رد کرتے ہیں بلکہ اس کے مختلف عناصرِ ترکیبی کی نشان دہی بھی کرتے ہیں، جو کہ اسلام سے بالکل متصادم ہیں۔ ان کے نزدیک جدید نظریہ قومیت انسانیت کو نسل، نسب، رنگ، وطن،

معیشت، سیاست، طبقاتیت، جغرافیائی اور علاقائی حدبندی کی بنیادوں پر الگ الگ کر دیتی ہے۔ یہ وہ عوامل ہیں جو نہ صرف کسی معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتی ہیں بلکہ مسلمانوں کے بھی ملی وحدت کو پارہ پارہ کرتی ہیں۔ فکرِ اقبال میں ملت تمام مصنوعی اور غیر فطری امتیازات سے پاک ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا کہ ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراکِ زبان ہے نہ اشتراک وطن، نہ سیاسی واقتصادی اغراض بلکہ ہم سب لوگ اس برادری میں جو نبی اکرم ﷺ نے قائم فرمائی تھی اس لیے شریک ہیں کہ مظاہرِ کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے اور جو تاریخی روایات ہم سب کو ترکہ میں پہنچی ہیں۔ وہ بھی ہم سب کے لیے یکساں ہیں۔ اسلام تمام مادی قیود سے بیزاری کرتا ہے اور اس کی قومیت کا دارومدار ایک خاص تہذیبی تصور پر ہے جس کی تجسیمی شکل وہ جماعتِ اشخاص ہے جس میں بڑھتے اور پھیلتے رہنے کی قابلیتطبعاً موجود ہے[4]۔ اس حوالے سے علامہ کی سوچ میں ارتقاء پایا جاتا ہے جیسا کہ ابتدا میں وہ وطنیت کے قائل تھے لیکن بعد میں ان کو اس بات کا ادراک ہو گیا کہ یہ تصور مسلمانوں کے اتحاد و یگانگت پر کاری ضرب لگاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں سماجی اتحاد کے لیے وطن کو ایک بنیاد سمجھتا تھا۔ اس لیے خاک وطن کا ہر ذرہ مجھے دیوتا دکھائی دیتا تھا، اس وقت میرے خیالات مادیت کی طرف مائل تھے، سوائے وطن کے مجھے انسانوں میں اتحاد کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اب میں انسانوں کو صرف ازلی اور ابدی روحانی بنیادوں پر متحد کرنا چاہتا ہوں اور جن میں اسلام کا لفظ استعمال کرتا ہوں تو میری مراد اس سے یہی روحانی نظام ہے۔[5] انہوں نے اپنی نظم وطنیت میں وطن کو نیابت قرار دیا اور وہ اس بات کا ادراک رکھتے تھے کہ اس تصور کی اشاعت سے مقصود مسلمانوں کے ملی تشخص کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانا ہے۔ یہ تصور اسلام کی عالمگیر اور آفاقی روح کے منافی ہے۔ حکیم الامت نے اس وحدت شکن تصور پر یوں اظہارِ خیال کیا ہے

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبوی ہے[6]

علامہ کو اس بات کا یقین تھا کہ مغرب کا تصورِ وطنیت مسلمانوں کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرتا ہے جیسا کہ انہوں نے تحریر کیا۔ مجھ کو یورپین مصنفوں کی تحریروں سے ابتدا ہی سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی تھی کہ یورپ کی ملوکانہ اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدت دینی پارہ پارہ کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے۔[7] اقبال کو اس بات کا یقین تھا کہ وطنیت دراصل مغربی استعماری

قوتوں کی چال ہے تاکہ اتحادِ امت کی عمارت کو منہدم کیا جاسکے۔انہوں نے عالمِ اسلام کو خبر دار کیا کہ قومیت، وطنیت، لسانیت اور طبقاتیت و غیر مسلمانوں کی اجتماعیت کے لیے زہر قاتل ہیں۔ وہ اس بات کے متمنی تھے کہ مسلمان ان تمام تعصبات سے بالاتر ہو کر ایک ملت بن جائیں اور انہوں نے اس شعور کو اُجاگر کرتے ہوئے کہا۔

بتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی[8]

مغربی تصورِ قومیت نے مسلمانوں میں جو عصبیت کی آگ بھڑکائی، اس کے نتیجے میں ملتِ اسلامیہ مختلف اقوام میں بٹ گئی۔ کہیں عرب قوم پرستی کا فتنہ پروان چڑھا تو کہیں ترک، افغان بننے کے احساس نے ملت کو ٹکڑوں میں منقسم کر دیا۔ بنگلادیش اسی تصور کے سبب وجود میں آیا۔ اس نظریے کو اپنانے کی وجہ سے مسلمانوں کی اخوت پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ قرآن و حدیث میں مسلمانوں کو متحد و متفق ہونے کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے جیسا کہ سورۃ حجرات میں فرمایا گیا۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ[9] (بے شک مسلمان سب بھائی بھائی ہیں)۔ اس مضمون کی ایک حدیث یہ ہے۔ عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: المُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ[10] (حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر مومن دوسرے مومن کے لیے ایسی عمارت کی طرح ہوتا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر ملایا۔) اس حدیث میں مسلمانوں کو ایک عمارت سے تشبیہ دی گئی ہے جس کا ہر حصہ دوسرے کو تقویت دیتا ہے۔ قومیت پرستی اور گروہ بندی کے سبب عمارت قائم نہیں رہ سکتی اور امت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی برکت سے انصار کے دو قبیلے، اوس اور خزرج جو اسلام قبول کرنے سے قبل ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے، وہ باہم شیر و شکر ہو گئے۔ اسی طرح ہجرتِ مدینہ کے بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا گیا جسے تاریخ میں مؤاخاتِ مدینہ کہا جاتا ہے۔ فلسفہ اقبال کی رو سے مسلمانوں کے لیے وطن اساسِ ملت نہیں ہے بلکہ اسلام ہے۔ اقبال نے واضح کیا کہ مسلم قومیت کی اصل و اساس دینِ اسلام ہے اور اس کا حاصل مسلمانوں کا ملی تشخص ہے جو ان کی زندگی کی ضمانت دے سکتا ہے۔[11] گویا فکرِ اقبال میں ملت کی تشکیل اور اجتماعیت کے لیے دینِ اسلام کو کلیدی حیثیت حاصل ہے عالمِ اسلام کے اتحاد کے بارے وہ رقمطراز ہیں۔ اگر عالم بشریت کا مقصد اقوام انسانی کا امن، سلامتی اور ان کی موجودہ اجتماعی حیثیتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام بنانا قرار دیا جائے تو سوائے نظام اسلام کے اور کوئی

اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح کا داعی نہیں بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطہ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔[12] علامہ کو اس بات کا یقین تھا کہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ مغرب کے تصور قومیت سے نکلیں، دینِ اسلام کو اپنی زندگیوں کا محور بنائیں، اس پر عمل پیرا ہو کر یک جہتی اور ہم آہنگی کی فضا پیدا کریں۔ اسلام میں امت کا کوئی مادی اور حسی دائرہ کار نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد لا الہ الا اللہ ہے۔ لہٰذا مسلمان اپنا جدا جدا رنگ چھوڑ کر صبغۃ اللہ کو اختیار کر کے یک رنگ ہو جائیں۔ اسی لیے اقبال نے وطنیت کے محدود تصور سے مبرا ہو کر عالمگیر قومیت کا پیغام دیا جو کہ اسلام کے آفاقی اور روحانی اصولوں پر استوار ہے ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر　　　خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار　　　قوّتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا، تو جمعیت کہاں　　　اور جمعیت ہوئی رُخصت، تو ملت بھی گئی[13]

ان کا کلام اس بات کا غماز ہے کہ وہ مغرب کے تصورِ قومیت سے سخت نالاں تھے کیونکہ یہ تصور عصبیت کو پروان چڑھا کر امت میں نااتفاقی کو ہوا دیتا ہے۔ اسلام ہی وہ قوت ہے جو مسلمانوں کو وحدت کی لڑی میں پڑوتا ہے اور جس کی وجہ سے دنیا کے مسلمانانِ عالم ملی رشتے میں ایک دوسرے سے بندھ سکتے ہیں۔

اقبال نے ان تمام رجحانات کی نشان دہی کی جن کی وجہ سے امتِ مسلمہ ذلت و زوال کا شکار ہے۔ وہ فرقہ بندی اور گروہ بندی کو اسلامی اتحاد کی راہ میں بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ وہ امت جس کی ذمہ داری تھی کہ وہ دوسروں کو اتحاد و اخوت کا درس دیں، الگ الگ ٹکڑیوں میں منقسم ہے۔ قرآن میں اللہ عز وجل کا فرمان ہے۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ[14] (ہر فرقہ اپنے ہی طریقے پر نازاں ہے)۔ مذہبی اور فکری انتشار کی وجہ سے مسلمانوں کی مرکزیت ختم ہو چکی ہے اور وہ فتنوں کا شکار ہے۔ ملتِ اسلامیہ کے انتشار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمنوں نے ان پر یلغار کی ہوئی ہے۔ شاعرِ مشرق نے مسلمانوں کی اس حالت پر افسوس کا اظہار یوں کیا ہے ؎

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرَمِ پاک بھی، اللہ بھی، قُرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں[15]

اقبال نے نہایت دلسوزی سے مسلمانوں کو یہ احساس دلایا کہ ان میں وحدت فکر و عمل کا فقدان ہے۔ وہ امت جسے ایک جسم سے تعبیر کیا گیا، وہ متحد ہونے کی بجائے آپس میں دین کے نام پر دست و گریبان ہیں جبکہ کہنے کو وہ ایک ہی خدا، ایک ہی دین، ایک ہی نبی ﷺ اور ایک ہی قرآن کے ماننے والے ہیں۔ دین کو اپنے مفادات کے پیشِ نظر ٹکڑے ٹکرے کر دیا گیا۔ دین، دنیا طلبی، جاہ اندوزی کا ایک ذریعہ بن گیا اور ملت کے زوال کے گہرے پاتال میں جا گری اور نتیجتاً ایک امت بہت سے گروہوں میں بٹ کر داخلی حرارت سے محروم ہو گئی۔۔۔اقبال کے خیال میں ملتِ اسلامیہ اس پیغام کو بھول کر گروہوں اور ملتوں میں بٹ گئی۔ ان کے نزدیک ملت کی عظمت مرہون ہے قیدِ جہات کی آزادی سے۔[16] گویا اور فرقہ بازی کی وجہ سے مسلم امہ مختلف گروہوں میں بٹ کر ذلت و مسکنت کا شکار ہے۔ مذہبی رواداری کا فقدان اور فروعی مسائل پر ایک دوسرے کی مخالفت نے اس امت کو فکری اور عملی طور پر مفلوج کر دیا ہے اور ملتِ اسلامیہ اپنی عظمت کھو چکی ہے۔ یہ وقت کا تقاضا ہے کہ مسلمان تفرقہ اور تشتت کو ترک کر کے امت واحد کی صورت اختیار کریں تاکہ مسلمانوں میں یک رنگی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکے

آبرو باقی تری ملت کی جمعیّت سے تھی جب یہ جمعیّت گئی، دنیا میں رُسوا تُو ہوا
فرد قائم ربطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں[17]

اقبال نے مسلمانوں کو یہ احساس دلایا کہ اگر مسلمانانِ عالم الگ الگ ہو گئے تو ان کی شناخت باقی نہیں رہے گی۔ لہٰذا امتِ مسلمہ کو یک جان اور باہم متحد بن کر رہنا چاہیے۔ تفرقہ بازی کے علاوہ امتِ مسلمہ میں ذات پات کی تفریق نے ان میں انتشار کو مزید بھڑکایا ہے۔ ذات برادریوں میں منقسم ہونے سے معاشرتی تفریق کو فروغ ملا ہے۔

دورِ حاضر میں اعلیٰ نسل اور کم تر نسل کا تصور مسلمانانِ عالم میں سرایت کر گیا ہے۔ اسلام نے اس بات پر زور دیا کہ مسلمان ان ان خود ساختہ نفرتوں کے معیارات سے نکلیں۔ ان میں سے کوئی معیار ایسا نہیں ہے جو ایک مسلمان کے لیے باعثِ فخر ہو۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا

وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ[18] (اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ تمھیں قوموں اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو صاحبِ تقویٰ ہو)۔ اس آیت کی تفسیر میں صاحبِ فتح القدیر لکھتے ہیں۔ وَالْمَقْصُودُ مِنْ هَذَا أَنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ خَلَقَهُمْ كَذَلِكَ لِهَذِهِ الْفَائِدَةِ لَا لِلتَّفَاخُرِ بِأَنْسَابِهِمْ، وَدَعْوَى أَنَّ هَذَا الشَّعْبَ أَفْضَلُ مِنْ هَذَا الشَّعْبِ، وَهَذِهِ الْقَبِيلَةَ أَكْرَمُ مِنْ هَذِهِ الْقَبِيلَةِ، وَهَذَا الْبَطْنَ أَشْرَفُ مِنْ هَذَا الْبَطْنِ. ثُمَّ عَلَّلَ سُبْحَانَهُ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ الْكَلَامُ مِنَ النَّهْيِ عَنِ التَّفَاخُرِ فَقَالَ: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ أَيْ: إِنَّ التَّفَاضُلَ بَيْنَكُمْ إِنَّمَا هُوَ بِالتَّقْوَى.[19] (لوگوں کو مختلف قبائل اور قوموں میں تقسیم کرنے کا مقصد اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ ان کا آپس میں تعارف ہو سکے اور یہ تقسیم اس لیے نہیں ہے کہ وہ اپنے حسب و نسب پر فخر کریں اور یا یہ کہ کوئی قوم دوسری سے افضل ہے اور نہ کوئی قبیلہ دوسرے سے زیادہ عزت دار ہے اور نہ ہی کوئی خاندان دوسرے سے زیادہ شرف والا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر فخر کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔) رسول اللہ ﷺ کے فرامین بھی اس امر پر شاہد ہیں کہ اسلام میں جاہلیت کے تمام غرور ختم کر دیئے گئے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ، أَنْتُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ، لَيَدَعَنَّ رِجَالٌ فَخْرَهُمْ بِأَقْوَامٍ۔[20] (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت و غرور کو ختم کر دیا اور باپ دادا کا نام لے کر فخر کرنے سے روک دیا۔ اب دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک متقی و پرہیزگار مومن، دوسرا بدبخت فاجر، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔) مفکرِ اسلام نے مسلمانوں کو احساس دلایا کہ وہ اسلامی تعلیمات کو حرزِ جان بنائیں اور خود ساختہ نفرتوں کے معیارات سے نکلیں جیسا کہ فرمایا ؎

یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے بُرا تو نے[21]

شاعر اسلام مغربی تہذیب کے ناقد تھے اور انہوں نے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ وہ مغرب کے افکار و نظریات سے مرعوب نہ ہوں کیونکہ ان کا اصل ہدف الحاد کے ذریعے اہلِ اسلام کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا ہے۔ وہ اس بات کا بخوبی ادراک رکھتے تھے کہ مسلمان ذہنی غلامی کا شکار ہیں اور مغربی تہذیب کے بہاؤ میں خس و خاشاک کی طرح بہہ رہے ہیں۔ اقبال نے یورپ کے جدید نظامِ زندگی اور اس نظام کے پیچھے جو فلسفہ کارفرما تھا، اس کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ نے ان کو اس نتیجہ پر

پہنچایا کہ یہ نظامِ زندگی نہایت کھوکھلا ہے۔اس کی بنیاد مادیت پر ہے۔اس فلسفہ حیات میں نہ تو فرد کی نجات ہے اور نہ ہی قوموں کی۔افراد آوارہ ہیں اور قوموں میں ایک خاموش پیکار جاری ہے۔[22] مغربی تہذیب ایک فتنہ ہے اور مسلمانوں کو اس سے حتی الامکان بچنا چاہیے کیونکہ مغربی استعماری قوتوں کا مقصد عالمِ اسلام میں قومیت اور دین و دنیا میں علیحدگی کے تصورات کو پروان چڑھا کر ہی اتحادِ امت کو ختم کرنا ہے۔مغربی تہذیب کی ریشہ دوانیوں کا ذکر انہوں نے اس طرح کیا ہے

حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز[23]

علامہ نے مسلم امہ کے اختلاف وافتراق کے عوامل کی نہ صرف نشاندہی کی بلکہ وہ لائحہ عمل بھی بیان کیا جن کو اختیار کر کے مسلمانانِ عالم میں موافقت پیدا کی جاسکتی ہے۔پیغامِ اقبال کے مطابق اسلام نے مسلمانوں کو متحد کر کے بامِ عروج پر پہنچایا تھا اور آج بھی ان کی اتحادِ ملت کا راز دینِ اسلام میں پنہاں ہے۔بقول علامہ کے ہمارے ملی اتحاد کا انحصار اس بات پر ہے کہ مذہبی اصولوں پر ہماری گرفت مضبوط ہو۔[24] خطبہ الہٰ آباد میں انہوں نے کہا کہ ایک سبق جو میں نے تاریخ اسلام سے سیکھا ہے، یہ ہے کہ آڑے وقتوں میں اسلام ہی نے مسلمانوں کو قائم رکھا، مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی۔اگر آج آپ اپنی نگاہیں پھر اسلام پر جمالیں اور اس کے زندگی بخش تخیل سے متاثر ہوں تو آپ کی منتشر اور پراگندہ قوتیں از سرِ نو جمع ہو جائیں گی اور آپ کا وجود ہلاکت و بربادی سے محفوظ ہو جائے گا۔[25] ملی وحدت کے سلسلے میں علامہ کے نظریات کے مطابق اسلام کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور ان کی تحریروں اور منظوم کلام میں ہمیں جگہ جگہ اس کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔اقبال کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ اس وقت تک اسلامی وحدت اور قومیت کے بارے میں صحیح شعور اور مثبت اندازِ فکر اجاگر نہیں کیا جاسکتا جب تک اسلامی تعلیمات سے کامل آگاہی میسر نہ ہو۔[26] اقبال کے افکار کے مطابق اتحاد بین المسلمین کا فلسفہ اسلام کے رکنِ اول توحید میں مضمر ہے۔عالمِ اسلام کی یکجہتی کا سرچشمہ عقیدہ توحید ہی ہے اور اس کی نفی سے ملتِ اسلامیہ کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔اسلام نے مسلمانوں کو نہ صرف نسلی وحدت کا درس دیا ہے بلکہ ان کو باور کرایا ہے کہ کلمہ توحید ہی وحدتِ فکر کا موثر ترین ذریعہ ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے خطبۃ الوداع کے موقع پر فرمایا-يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى[27](لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ

بھی ایک ہے، آگاہ ہو جاؤ! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ رنگ والے کو کالے رنگ والے پر اور کسی سیاہ رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں، مگر تقویٰ کے ساتھ)۔ علامہ نے اسی شعور کو مسلمانوں میں بیدار کرنے کی کوشش کو اور وہ فرماتے ہیں ۔

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے[28]

یہ توحید کی نعمت ہی ہے جو تمام امتیازات کی نفی کر کے اجتماعی نظام کو قائم کرتا ہے اور مسلمانوں کو وحدت کی لڑی میں پروتا ہے۔ یہ عقیدہ مسلمانوں میں ایک نصب العین اور مقصدِ حیات پیدا کرتا ہے جس کا لازمی نتیجہ اخوت و محبت، مساوات، یکجہتی اور ہم آہنگی ہے۔ اقبال کی نبی ﷺ کے ساتھ دلی وابستگی ان کے کلام سے عیاں ہوتی ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کو ملت کے اتحاد کا منبع قرار دیتے تھے۔ توحید کے بعد مسلمانوں میں اتفاق کا دوسرا عنصر ایمان بالرسالت ہے کیونکہ رسالتِ محمدی ﷺ مسلمانوں کو اتحاد کی وہ ٹھوس بنیادیں مہیا کرتا ہے جس میں قومیت، فرقہ بازی، حسب نسب، مال و دولت اور رنگ و خون کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ مسلم امہ کی زبوں حالی کے باوجود حکیم الامت کو اس بات کا یقین تھا کہ عشقِ محمد ﷺ وہ قوت ہے جو مسلمانوں کو یکجا کر سکتی ہے۔اسی لیے انہوں نے واشگاف الفاظ میں فرمایا۔

قُوّتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے[29]

توحید و رسالت کے علاوہ شاعرِ مشرق قرآن کی تعلیمات کو مسلمانوں کے لیے اتحاد اور اخوت کا اہم ترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ایک مرتبہ چند نوجوانوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ یاد رکھو مسلمانوں کے لیے جائے پناہ صرف قرآن کریم ہے۔[30] ایک اور موقع پر فرمایا کہ یہں سمجھتا ہوں کہ میں اس سے بہتر اور کچھ نہیں کہ سکتا کہ مسلمانوں کو قرآن کریم کے بیان کردہ اصول عمل یاد دلاؤں۔[31] امتِ مسلمہ کے انتشار اور بے نظمی کی اہم وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو ترک کر دیا ہے اور اس کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ان کی بقا اسی میں ہے کہ وہ قرآن کو اپنا دستورِ حیات بنائیں جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا[32] (اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ کرو)۔ اس آیت کے ضمن میں دکتور وھبہ زحیلی نے لکھا ہے۔ ثم أمر بالاعتصام بكتاب الله وعهده الذي عهد به إلى الناس، ونهى عن التفرق عنه أبدا، والتزام الألفة والاجتماع على طاعة الله والرسول. وحبل الله:هو الإيمان والطاعة والعمل بالقرآن[33] (پھر اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لینے کا حکم دیا اور اس عہد کو جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں

سے دین اور اللہ کی اطاعت کے بارے لیے ہے۔ تفرقہ بازی سے ہمیشہ کے لیے منع کیا گیا۔ الفت واجتماعیت کو اللہ تعالیٰ اور اوراس کے رسول کی اطاعت کے لیے اپنائے رکھنے کی تاکید کی۔ اللہ کی رسی سے مراد ایمان، اطاعت اور قرآن پر عمل ہے۔) قرآن نہ صرف بندے کو اللہ تعالیٰ سے جوڑنے کا ذریعہ ہے بلکہ یہ مسلمانوں کو بھی جماعت کی صورت میں ایک دوسرے سے جوڑتا ہے۔ قرآن ااپنے مخاطبین کی تربیت اس انداز میں کرتا ہے کہ ان کے لیے پیشِ نظر صرف دین اور امت کی فلاح ہوتی ہے۔ اس لیے اقبال نے مسلم امہ کو ترغیب دیتے ہوئے کہا ؎

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار[34]

اقبال اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ جو قوم مرکز سے ہٹ جائے تو اس کا لازمی نتیجہ افتراق وانتشار کی صورت میں ہوتا ہے کیونکہ قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جُدائی۔[35] امتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ ان میں مرکزیت پائی جائے اور کعبہ ان کی زندگیوں کا مرکز بنے۔ علامہ اقبال کے بقول پورا عالمِ اسلام ایک دائرہ ہے کعبہ اس دائرے کا مرکز ہے۔ یہ وہ روحانی مرکز ہے کہ ملتِ اسلامیہ کو ربط ونظام کی دولت سے بھی مالا مال کرتا ہے اوراس کے ایمان وایقان کو بھی استحکام بخشتا ہے۔[36] اسلام کے نظامِ عبادت میں بھی اتحاد ومساوات کے پہلو کو مدِ نظر رکھا گیا ہے تاکہ ملتِ اسلامیہ کی عالمگیر تنظیم کی عمارت ایسی بیناد پر اٹھائی جائے جو کہ ناقابلِ تسخیر ہو۔ نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ میں عملی طور پر مسلمانوں میں رواداری، موانست، یکسانیت اور اتحاد واتفاق کے جذبات پنپتے ہیں۔ مصورِ پاکستان اس بات کے بھی قائل تھے کہ امتِ مسلمہ میں انتشار وپراگندگی کا سبب اسلامی نظامِ سیاست کو ترک کر دینا ہے۔ اقبال کے نزدیک اگر گزشتہ تاریخ میں عالم اسلام کی وحدت پارہ پارہ ہوئی تو اس کے ذمہ دار طاقت واقتدار کے بھوکے قائدین یا مطلق العنان سلاطین یا حکمران تھے، مسلم عوام نہ تھے۔[37] علامہ نے آمریت، اشتراکیت، شہنشاہیت، پاپائیت، جاگیریت وغیرہ کے مضر اثرات کو بیان کر کے ان کا شدت سے رد کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ اسلامی نظام سیاست کو اپنایا جائے تاکہ ملت کی پھر سے تشکیل ہو سکے۔ مسلمانوں کے لیے ایسا سیاسی نظام رائج کرنے کی ضروت ہے جس میں اقتدار اور ملکیت خدائے واحد کی ہو۔ وہ خلافت کی مرکزیت کو مسلمانوں کی بقا کا ضامن سمجھتے تھے ؎

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر[38]

گویا یہ وہ اساسیات ہیں جن پر ملتِ اسلامیہ کی عالمگیر اور ناقابل تسخیر عمارت قائم ہوتی ہے۔اقبال نے اپنے کلام میں جن پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے، وہ اتحادِ امت کی ضامن ہیں اور وہ اسلامی تعلیمات کا عکاس ہیں۔ انہوں نے نہ صرف ان تمام رجحانات اور تصورات کی بخوبی نشان دہی کی جن کی وجہ سے امتِ مسلمہ پستی اور زوال کا شکار ہے بلکہ عالمِ اسلام کے اتحاد واتفاق کے لیے مفید لائحہ عمل بھی تجویز کیا۔انہوں نے امتِ مسلمہ کو باور کرایا کہ ان کی قوت کا اصل راز ان کے اتفاق و اتحاد میں مضمر ہے۔ان کی اجتماعیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ مغرب کے قومیتِ تصور،ذات پات کی تفریق،فرقہ بندی، طبقاتیت، لسانیت، جدید سیاسی نظام مثلاً آمریت، اشتراکیت اور جاگیریت وغیرہ کی قیود سے آزاد ہوں۔ مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے نہایت اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ وہ مغرب کے تصورِ قومیت کی نفی کرتے ہوئے دینِ اسلام کو اپنی زندگیوں میں مکمل طور پر نافذ کریں۔ علاوہ ازیں وہ مغربی تہذیب کی یلغار سے بچیں کیونکہ یہ وہ عوامل ہیں جنھوں نے اہلِ اسلام میں نفاق و انتشار کو پروان چڑھایا ہے۔ علامہ اقبال کے مطابق مسلمانانِ عالم کو ان تمام عوامل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکیں۔ مسلم قومیت کی اصل بنیاد دینِ اسلام ہے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کا ملی تشخص برقرار رہتا ہے۔تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جب تک مسلمان توحید، رسالت، قرآن مجید، اسلام کے نظامِ عبادت اور سیاست کے اصولوں کے مطابق زندگی گزار رہے تھے تو دنیا میں ان کی شان و شوکت تھی لیکن جب وہ اسلامی تعلیمات سے غافل ہو گئے تو امتِ مسلمہ بھی زوال پذیر ہو گئی۔

حوالہ جات وحواشی

1 آلِ عمران ۳: ۱۱۰

2 معینی، سید عبدالواحد، مقالات اقبال، مطبوعہ محمد عبداللہ قریشی، القمر انٹر پرائزز، لاہور، س۔ن، ص: ۲۷۲۔

3 محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، بانگ درا، وطنیت، ص: ۲۰۶۔

4 معینی، سید عبدالواحد، مقالات اقبال، ص: ۱۵۹۔

5 محمد باقر، ڈاکٹر، احوال و آثار اقبال چند پہلو، اقبال اکادمی، پاکستان، ۱۹۸۱، ص: ۶۷

6 محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، بانگ درا، وطنیت، ص: ۲۰۶۔

7 معینی، سید عبدالواحد، مقالات اقبال، مضمون: جغرافیائی حدود اور مسلمان، ص: ۱۵۹۔

8 محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، بانگ درا، طلوعِ اسلام، ص:۲۷۸۔

9 حجرات۴۹:۱۰

10 البخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، المحقق: محمد زهير بن ناصر الناصر،۔ كتاب المظالم و الغضب، باب نصر المظلوم، رقم الحدیث:۲۴۴۶، دارطوق النجاة، ط: اولی،۱۴۲۲ھ۔

11 سید محمد اکرم اکرام، ڈاکٹر، اقبال اور ملی تشخص، بزمِ اقبال، لاہور،۱۹۹۸، ص:۱۷

12 معینی، سید عبدالواحد، مقالات اقبال، مضمون: جغرافیائی حدود اور مسلمان، ص:۲۶۵۔

13 محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، بانگ درا، مذہب، ص:۲۶۳۔

14 الروم۳۰:۳۲

15 محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، بانگ درا، جوابِ شکوہ، ص:۲۳۳۔

16 تحسین فراقی، ڈاکٹر، جہاتِ اقبال، بزم اقبال، س۔ن، ص:۸۰۔

17 محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، بانگ درا، شمع اور شاعر، ص:۲۲۵۔

18 سورۃ الحجرات۴۹:۱۳

19 شوکانی، محمد بن علی، فتح القدير، دار ابن كثير، دار الكلم الطيب، دمشق، بيروت، الطبعة الأولى، ۱۴۱۴ھ، ج:۵، ص:۷۹۔

20 أبو داود سليمان بن الأشعث، سنن ابی داود، المحقق: محمد محيي الدين عبد الحميد،ابواب الدوم، بَابٌ فِي التَّفَاخُرِ بِالْأَحْسَابِ، رقم الحديث: ۵۱۱۶، المكتبة العصرية، صيدا، بيروت، س-ن۔

21 محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، بانگ درا، تصویر درد، ص:۱۰۹۔

22 محمد احمد خان، اقبال کا سیاسی کارنامہ، اقبال اکادمی، لاہور، س۔ن، ص:۴۰

23 محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، خضرِ راہ۔

24 جاوید اقبال، ڈاکٹر، شذرات فکر اقبال، ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، مجلس ترقی اسب، ۱۹۸۳، ص؛۸۵

25 سید محمد اکرام اکرام، ڈاکٹر، اقبال اور ملی تشخص، ص:۲۷

26 عبدالحمید، ڈاکٹر، اقبال بحیثیت مفکرِ پاکستان، اقبال اکادمی، پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص:۹۰۔

27 احمد بن حنبل، أبو عبد الله أحمد، مسند الإمام أحمد بن حنبل، محققين: شعيب الأرنؤوط، عادل مرشد وآخرون،أَحَادِيثُ رِجَالٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،حَدِيثُ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم الحديث:٢٣٤٨٩، مؤسسة الرسالة، ط:الأولى، ١٤٢١ هـ۔

28 محمد اقبال،ڈاکٹر،علامہ،بانگِ درا،وطنیت،ص:۲۰۶۔

29 محمد اقبال،ڈاکٹر،علامہ،بانگِ درا،جوابِ شکوہ،ص:۲۳۶۔

30 محمد رفیق افصل،گفتار اقبال،ادارہ تحقیقات پاکستان،پنجاب یونیورسٹی،لاہور،۱۹۶۹ء،ص:۲۱۳۔

31 محمد باقر،ڈاکٹر،احوال وآثار اقبال چند پہلو،اقبال اکادمی،پاکستان،۱۹۸۱،ص:۷۳

32 سورۃ آل عمران ۱۰۳:۳

33 زحیلی، وهبة بن مصطفٰی، د، التفسير المنير فی العقيدة والشريعة والمنهج، دارالفكر المعاصر، دمشق، ۱۴۱۸ھ، ج:۴، ص:۲۸۔

34 محمد اقبال،ڈاکٹر،علامہ،ضرب کلیم،علی گڑھ بک ڈپو،۱۹۷۵ء،اشتراکیت،ص:۱۳۶۔

35 محمد اقبال،ڈاکٹر،علامہ،ضرب کلیم،محراب گل افغان کے افکار،علی گڑھ بک ڈپو،۱۹۷۵ء،ص:۱۷۵

36 محمد منور،پروفیسر،ایقانِ اقبال،اقبال اکادمی،پاکستان،۱۹۷۷ء،ص:۱۴۶۔

37 جاوید اقبال،ڈاکٹر،افکارِ اقبال (تشریحاتِ جاوید)،سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۵ء،ص:۱۳۰

38 محمد اقبال،ڈاکٹر،علامہ،خضرِ راہ۔